اصلاحِ اُمت

دعوت و تبلیغ کا داعی

سلسلہ نمبر 163 | شوال المکرم 1447ھ | 2026 اپریل

قافلۂ علم و ھُدیٰ

(دارِ ارقم و صفہ سے جامعہ بنوریہ عالمیہ تک)

ڈاکٹر مُفتی نعمان نعیم

رئیس و مہتمم

الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ

تیار کردہ
شعبہ تصنیف و تحقیق

https://www.binoria.org/ColumnNigar/JournalView

الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ پر ایک طائرانہ نظر

(1) سنگ بنیاد : 1978ء بدست مبارک : حضرت قاری عبدالحلیمؒ

(2) مہتمم اول: مفتی محمد نعیمؒ مہتمم ثانی : مولانا محمد نعمان نعیم زید مجدہم

(3) ملکی وغیر ملکی طلباء: 4500عدد طالبات : 700عدد

(4) تعلیمی شعبہ جات:

۱۔ناظرہ وحفظ قرآن ۲۔درس نظامی ۳۔تخصص فی الفقہ ۴۔تخصص التفسیر ۵۔تخصص فی الحدیث ۶۔دارالتصنیف والتحقیق ۷۔دارالافتاء والقضاء ۸۔آن لائن اکیڈمی 9۔انٹرمیڈیٹ کالج ۸۔انفوٹیک کالجیٹ 9۔عربی، انگلش، چائنیز لینگویج سینٹر ۱۰۔نظام مکتب۔

(5) رفاہی، سماجی، غیر نصابی شعبہ جات:

۱۔بنوریہ ویلفیئر ٹرسٹ ۲۔بنوریہ اسکلز ڈیولپمنٹ سینٹر (BSDC)۳۔میڈیکل سینٹر ۴۔وفاق المساجد ۵۔اعانت نو مسلم ۵۔اخبار المدارس ۶۔بنوریہ میڈیا ۷۔شرعیہ کنسلٹنسی ۸۔تعمیرات 9۔ایپورٹ ۱۰۔ایسکوریٹی ۱۱۔اکاؤنٹس ۱۲۔آن لائن فتاویٰ ۱۳۔اصلاح اعمال ۱۴۔فارن افیئرز ۱۵۔شعبہ جوازات

(6) شاخہائے جامعہ اندرون ملک:

۱۔مدرسہ تحفیظ القرآن ناظم آباد گول مارکیٹ 2۔جامعہ دراسات الاسلامیہ ناظم آباد نمبر 7 نزد عباسی شہید ہسپتال 3۔جامعہ حنفیہ اورنگی ٹاؤن کراچی 4 جامعہ عربیہ اسلامیہ کمشنر سوسائٹی اسکیم 33 ابوالحسن اصفہانی روڈ نزد مبینہ ٹاؤن تھانہ گلشن اقبال 4۔مدرسہ دارارقم گلشن اقبال کراچی 5۔مدرسہ ومسجد صدیقیہ فاطمہ جناح کالونی جمشید روڈ نمبر 3، 9۔جامع مسجد ومدرسہ عمر ابن الخطابؓ بلاک A.4 گلشن اقبال عقب پٹیل ہسپتال

(7) بیرون ممالک جامعہ سے ملحق ادارے:

☆ معہد تحفیظ القرآن، ملائیشیا ☆ دارالعلوم نیویارک، امریکہ ☆ لندن اسلامک سینٹر، برطانیہ

☆ دارالعلوم الاسلامیہ، ملائیشیا ☆ مدرسہ اصحاب الصفہ، استنبول، ترکی ☆ اسلامی مرکز ٹیکساس، امریکہ ☆ بینکاک اسلامی مرکز، تھائی لینڈ

(8) اسٹاف کی تعداد: اساتذہ کرام 265، معلمات 50، شعبہ بیرون 40، ملازمین 85، کل تعداد 440

(9) جامعہ کی ذریعہ آمدن: عامۃ الناس کے چندے، مخیر حضرات کے تعاون کے علاوہ عطیات، ذکوٰۃ، خیرات، فدیہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ

(10) ماہانہ اخراجات=/18,000,000: سالانہ اخراجات=/216,000,000: اکیس کروڑ ساٹھ لاکھ روپے

(11) بنوریہ وژن: طلباء وطالبات کیلئے ایسا ماحول فراہم کرنا جس میں سیکھنے کے مواقع اور کوالٹی ایجوکیشن فراہم کرنے کے ساتھ مہذب اور شائستہ معاشرے کے ہر شعبہ ہائے زندگی میں تشکیل کیلئے رجال کار فراہم کرنا۔

(12) اپیل : آپ سے گذارش ہے کہ اپنی ہر قسم کی تسلی کرنے کے بعد کے طلباء وطالبات کا حسب استطاعت زکوٰۃ، خیرات، صدقات، صدقۃ الفطر، فدیہ صوم وصلوٰۃ ودیگر مدات میں تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

قافلۂ علم وہدیٰ: دارِارقم وصفہ سے جامعہ بنوریہ عالمیہ تک

اسلام میں علم محض معلومات کا نام نہیں، بلکہ وہ نور ہے جو انسان کو اپنے رب کی معرفت، اپنی ذمہ داریوں کی پہچان اور معاشرے کی اصلاح کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی لیے وحی کا آغاز بھی علم اور قراءت کے پیغام سے ہوا، اور امت کی تشکیل میں تعلیم وتربیت کو بنیادی ستون قرار دیا گیا۔

ذیل میں انتہائی اختصار سے کچھ آیات واحادیث کا ترجمہ اور مختصر تفاصیل ذکر کی جاتی ہیں تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو اور دل میں اُتر جائے:

قرآنِ کریم کی روشنی میں آغازِ وحی اور تعلیمِ ربّانی:

۱۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○

(سورۃ العلق)

ترجمہ: پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

ان ابتدائی آیاتِ وحی میں علم کی بنیاد رب کے نام سے جوڑی گئی ہے، جس

سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علم وہی ہے جو اللہ کی معرفت اور اس کی رضا کے لیے حاصل کیا جائے۔ انسان کی تخلیق کے ادنیٰ مرحلے کا ذکر کر کے اس کی عاجزی واضح کی گئی، جبکہ قلم کا ذکر علم کے محفوظ ہونے اور پھیلنے کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ مفسرین کے مطابق یہ آیات اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ انسان کا سارا علم اللہ کی عطا ہے اور اسی کے سہارے وہ جہالت سے نکل کر ہدایت پاتا ہے۔

۲۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (سورۃ طٰہٰ)

ترجمہ: اور (اے محبوب ﷺ!) کہیے: اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو بھی علم میں اضافے کی دعا کا حکم دیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی کوئی انتہا نہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت طالبِ علم کے لیے دائمی سبق ہے کہ وہ کبھی اپنے علم پر مغرور نہ ہو بلکہ ہمیشہ اللہ سے مزید علم اور فہم کی دعا کرتا رہے، کیونکہ اصل علم وہی ہے جو اللہ عطا فرمائے۔

۳۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ

(سورۃ المجادلہ)

ترجمہ: اللہ تم میں سے ایمان والوں اور اہلِ علم کے درجات بلند فرماتا ہے۔

اس آیت میں ایمان اور علم دونوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، مگر اہلِ علم کو خاص امتیاز دیا گیا ہے۔ مفسرین کے مطابق علم والے لوگوں کے درجات دنیا میں عزت، رہنمائی اور اثر و رسوخ کی صورت میں اور آخرت میں بلند مقامات کی شکل میں بڑھائے جاتے ہیں، کیونکہ وہ خود بھی ہدایت پاتے ہیں اور دوسروں کو بھی راستہ دکھاتے ہیں۔

۴۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

(سورۃ الزمر)

ترجمہ: کہہ دیجیے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟

یہ آیت ایک عقلی اور بدیہی حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ علم اور جہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں جاننے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کو پہچانتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، جبکہ نہ جاننے والے وہ ہیں جو غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم انسان کو عمل، شعور اور ہدایت عطا کرتا ہے۔

۵۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

(سورۃ فاطر)

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں سے حقیقی خشیت علماء ہی رکھتے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حقیقی خوفِ خدا (خشیت) صرف اہلِ علم کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی عظمت، اس کی قدرت اور اس کی

صفات کو صحیح طور پر جانتے ہیں۔ مفسرین کے مطابق جتنا علم زیادہ ہو گا، اتنی ہی اللہ کی معرفت اور اس کا خوف دل میں بڑھے گا، اور یہی علم کا اصل ثمرہ ہے۔

احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں راہِ علم، جنت کی راہ:

۱۔ مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ (صحیح مسلم)

ترجمہ: جو شخص علم کی طلب میں کوئی راستہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔

محدثین کی شرح کے مطابق راستہ اختیار کرنا ظاہری بھی ہے (مدرسہ، مجلسِ علم کی طرف جانا) اور باطنی بھی (علم کی نیت اور کوشش کرنا)۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ دین جنت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، کیونکہ یہ انسان کو صحیح عقیدہ اور عمل کی طرف رہنمائی دیتا ہے۔ گویا علم بذاتِ خود مقصد نہیں بلکہ جنت تک پہنچنے کا راستہ ہے۔

۲۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (سنن ابن ماجہ)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اہلِ علم کی وضاحت کے مطابق یہاں علم سے مراد وہ ضروری دینی علم ہے جس کے بغیر انسان اپنے عقائد، عبادات اور معاملات درست نہیں کر سکتا۔ اس میں بنیادی عقائد، نماز، روزہ اور حلال و حرام کا علم شامل ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین سیکھنا کوئی اختیاری کام نہیں بلکہ ہر مسلمان کی ذمہ داری

ہے۔

٣۔إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (سنن ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء نے نہ دینار چھوڑے نہ درہم، بلکہ انہوں نے علم کو میراث بنایا، پس جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے بڑا حصہ پا لیا۔

شراح حدیث کے مطابق اس روایت میں علماء کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ انبیاء کے مشن (ہدایتِ انسانیت) کے امین ہوتے ہیں۔ انبیاء کی اصل میراث مال نہیں بلکہ علمِ دین ہے، اس لیے جو شخص اس علم کو حاصل کرتا ہے وہ گویا نبوی ورثے میں حصہ دار بن جاتا ہے۔ اس سے علمِ دین کی قدر و منزلت اور اس کی ذمہ داری دونوں واضح ہوتی ہیں۔

جاہلیتِ جدیدہ اور اس کے علمی فتنے:

دینی تعلیم انسان کے ایمان، عبادت، معاملات اور اخلاق——سب کی سمت درست کرتی ہے۔ مدرسہ/مدرسہ نظام امت کی وہ اجتماعی یادداشت ہے جو قرآن و سنت کے فہم، فقہ کے تسلسل اور تربیتِ نبویؐ کی حفاظت کرتا ہے۔ جب علم کے ساتھ ادب اور عمل جڑ جائیں تو ایک طالبِ علم صرف عالم نہیں بنتا، صالح داعی اور ذمہ دار شہری بھی بنتا ہے۔

جاہلیت صرف ایک تاریخی دور کا نام نہیں؛ یہ ایک ذہنی و فکری کیفیت ہے جو حق سے غفلت، مقصدِ حیات سے بے خبری اور خواہشات کی پیروی سے جنم لیتی ہے۔ آج کی دنیا میں یہ کیفیت نئے لبادے میں ظاہر ہوتی ہے — یعنی جاہلیتِ جدیدہ — جس کی نمایاں علامت یہ ہے کہ علم کو ہدایت سے کاٹ کر محض طاقت، نفع اور تسلط کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔ یہاں چند بڑے علمی فتنے ایسے ہیں جن سے خصوصاً طالبِ علم کو خبردار رہنا چاہیے:

ا۔ علم کا بے مقصد ہونا (Purpose-less Knowledge)

جب علم کی منزل اللہ کی رضا اور انسان کی اصلاح نہ رہے تو معلومات تو بڑھتی ہیں مگر بصیرت کمزور ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ انسان بہت کچھ جانتے ہوئے بھی صحیح راستہ نہیں پاتا، اور علم اس کے اندر تواضع کے بجائے غرور پیدا کر دیتا ہے۔

الحاد/شک پر مبنی فکر اور دین سے بے زاری جدید فکری لہریں بعض اوقات سائنس اور ترقی کے نام پر ایمان کی بنیادوں میں شکوک ڈالتی ہیں۔ اس فتنہ کا علاج یہ ہے کہ طالبِ علم عقیدہ مضبوط کرے، اہلِ علم کی صحبت اپنائے، اور جدید سوالات کے جواب میں سنجیدہ علمی مصادر سے رہنمائی لے۔

۲۔ معلوماتی سیلاب، حکمت معدوم (Information Overload)

سوشل میڈیا اور فوری مواد نے علم کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ انسان بہت کچھ پڑھ لیتا ہے مگر ترتیب، اصول اور گہرائی نہیں بنتی۔

دینی علوم میں یہ خاص طور پر نقصان دہ ہے؛ کیونکہ یہاں نصوص کو سیاق، اصولِ استنباط اور اہلِ فن کی شرح کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے۔ شہرت طلبی اور علمی نمائش علم کے میدان میں لائکس، فالوورز، کلپس کی کشش کبھی کبھی نیت کو آلودہ کر دیتی ہے۔ طالبِ علم اگر آغاز ہی سے اخلاص پر محنت نہ کرے تو وہ علم کو عبادت کے بجائے پروموشن بنا دیتا ہے۔

۳۔ ردِّ عمل اور انتہا پسندی (Reactionary Thinking)

دینی مزاج توازن، حلم اور عدل کا نام ہے۔ جدید جاہلیت کبھی دین کے نام پر شدت پیدا کرتی ہے اور کبھی دین کے مقابلے میں مصالحتِ بے اصول۔ دونوں صورتوں میں حق سے انحراف ہوتا ہے۔ طالبِ علم کا راستہ یہ ہے کہ وہ اصول کی بنیاد پر بات کرے، اور اختلاف میں ادب اور انصاف کو لازم پکڑے۔

تحقیق کے نام پر بے ادبی اور سند سے بے نیازی:

بعض لوگ تحقیق کے نام پر اکابر کی تنقیص، یا روایت کے پورے ڈھانچے پر حملہ کرتے ہیں۔ صحیح علمی رویّہ یہ ہے کہ طالبِ علم سند، منہج اور اہلِ تخصص کی قدر پہچانے؛ اختلاف ہو تو دلیل اور ادب کے ساتھ ہو، نہ کہ تحقیر کے ساتھ۔

مدارسِ دینیہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ علم کو محض ذہن کی غذا نہیں بناتے بلکہ تزکیہ، ادب اور عمل کے ساتھ جوڑتے ہیں؛ یہی ربط طالبِ علم کو جاہلیتِ جدیدہ کے فتنوں سے بچانے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

نئے سال کے آغاز پر طلبہ، اساتذہ اور سرپرست حضرات اپنے دل میں ایک عہد تازہ کریں: علم کو بحث و تکرار نہیں، ہدایت و خدمت بنائیں گے؛ اور اپنے علم کی پہلی گواہی اپنے اخلاق اور عبادت سے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں شوالُ المکرم کی صورت میں ایک نئے تعلیمی سفر کا موقع عطا فرمایا۔ مدارسِ دینیہ میں تعلیمی سال کا آغاز دراصل اس مبارک سلسلے سے وابستہ ہونے کا نام ہے جس کی پہلی کڑی صفہ کا چبوترا اور معلمِ اوّل نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ یہ رسالہ اسی نسبتِ خیر کو تازہ کرنے اور اس تاریخی و فکری سفر کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔

اللہ کریم اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اسے دینی تعلیم کے پھیلاؤ اور نشر و اشاعت میں معاون بنائے، اسے عوام کے علمائے کرام اور مدارسِ دینیہ کے ساتھ تعلق میں مزید مضبوطی و بہتری کا باعث اور قوم کے نونہالوں کے سدرست مستقبل کے لیے فکر مند ہونے کا سبب بنائے۔

یاد رکھیے! آپ کا بچہ آپ کا سرمایہ ہے، آپ کی سب سے بڑی انوسٹمنٹ اپنے بچے کی درست تعلیم و تربیت ہے، جو دنیا و آخرت میں آپ کے کام آئے گی۔

ڈاکٹر مفتی) نعمان نعیم

رئیس و مہتمم جامعہ بنوریہ عالمیہ

مدارس کا آغاز اور اولین تعلیمی نمونے:

دارِ ارقم کی خاموش محفلوں سے لے کر صفہ کی روشن تربیت گاہ، اور پھر علمی دنیا میں مدارسِ نظامیہ و جامعہ ازہر جیسے منظّم اداروں سے گزر کر برصغیر میں درسِ نظامی اور بالآخر دارالعلوم دیوبند کے قیام تک یہ سب کڑیاں دراصل امت کے اس عزم کی علامت ہیں کہ دین کا علم، ادب اور عمل ہر دور میں زندہ رہے۔

اسلامی تاریخ میں باقاعدہ تعلیمی نظام کا آغاز مکہ مکرمہ میں دارِ ارقم سے ہوا جہاں ابتدائی مسلمانوں کو خفیہ طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب ایمان کی حفاظت بھی مطلوب تھی اور علم کی آبیاری بھی؛ اسی لیے اس جگہ کو ہم اسلامی تربیت کے ابتدائی مرکز کے طور پر دیکھتے ہیں۔

ہجرت کے بعد مسجدِ نبوی میں صفہ کے نام سے ایک چبوترا قائم کیا گیا، جو تاریخِ اسلام کا پہلا باقاعدہ رہائشی مدرسہ تھا۔ یہاں مقیم صحابہ، جنہیں اصحابِ صفہ کہا جاتا ہے، اپنی زندگیاں علمِ دین کے لیے وقف کیے ہوئے تھے۔ یہاں: معلم خود نبی کریم ﷺ تھے تعلیم کا مرکز قرآن وسنت تھا مقصد تزکیہ، تربیت اور علم تھا خلفائے راشدینؓ کے دور میں یہ نظام مزید وسعت اختیار کر گیا اور بصرہ و کوفہ جیسے شہر علمی مراکز بن گئے۔ یوں علم ایک فرد سے نکل کر معاشرے کی اجتماعی ضرورت بن گیا اور امت کے اندر فقہ، حدیث، تفسیر اور عربی زبان جیسے علوم کے باقاعدہ دبستان وجود میں آنے لگے۔

ادارہ جاتی ارتقا اور عالمی وسعت:

اسلامی تعلیم نے وقت کے ساتھ ایک منظّم ادارہ جاتی شکل اختیار کی۔ جیسے جیسے اسلامی معاشرہ وسیع ہوتا گیا، ویسے ویسے تعلیم کے لیے نظم، نصاب، اساتذہ کی ذمہ داریاں اور طلبہ کی کفالت جیسے امور بھی باقاعدہ اصولوں کے تابع ہوتے گئے۔

گیارہویں صدی میں نظام الملک طوسی نے بغداد میں مدارس نظامیہ قائم کیے، جو باقاعدہ نصاب، وظائف اور رہائش کے ساتھ ایک مکمل تعلیمی نظام تھا۔ 625ھ میں خلیفہ مستنصر باللہ نے جامعہ مستنصریہ قائم کی۔اسی دور میں: 859ء میں مراکش میں جامعہ القرویین 959ء میں قاہرہ میں جامعہ الازہر قائم ہوئیں، جو آج بھی علم کے عالمی مراکز شمار ہوتی ہیں۔ان اداروں میں صرف دینی علوم ہی نہیں بلکہ ریاضی، فلکیات، طب اور دیگر عقلی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے، جو اسلامی تعلیم کے ہمہ گیر ہونے کی دلیل ہے۔ یہ جامعیت دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسلام میں علم محض معلومات کا نام نہیں بلکہ انسان، معاشرہ اور کائنات کو خدا کی بندگی کے دائرے میں سمجھنے کا نام ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب دینی و عقلی علوم میں توازن برقرار رہا تو تہذیب مضبوط ہوئی؛ اور جب علم کو مقصد سے کاٹ دیا گیا تو یا خشک منطق رہ گئی یا بے بنیاد جذبات۔اس لیے طالبِ علم کی حقیقی ترقی علم + اخلاق + مقصد کے ساتھ جڑی ہے۔

دینی مدارس ومکاتب کا تاریخی پسِ منظر:

دینی مدارس ومکاتب کے تاریخی پسِ منظر کو بیان کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت مناسب ہے کہ ہر چیز کی طرح دینی مدارس کو دوزاویوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے:

ایک ظاہری اعتبار سے اور دوسرا مقاصد اور روح کے اعتبار سے۔

مقاصد وروح کے اعتبار سے مدرسے کی حقیقت یہ ہے کہ وحی کے ذریعے ملنے والے علوم کو سینہ بسینہ آنے والی نسل کو منتقل کیا جائے۔ اس لحاظ سے اس مقدس مشن کا آغاز اس وقت سے ہوا، جب پہلی مرتبہ غارِ حرا میں "اِقْرَأْ" کے الفاظ کے ساتھ وحی کا نزول ہوا۔

وحی کی تعلیمات ہمہ گیر تھیں، جس میں انسانی زندگی گزارنے کے لیے جہاں راہنما اُصول بیان کیے گئے، وہاں ان اُصولوں کی تعلیم و تعلم کے طور طریقے بھی بیان ہوئے ہیں۔ پ

یغمبرِ اسلام ﷺ نے وہ تعلیمات صحابہ کرامؓ کو منتقل کیں، اور ان ارواح قدسیہ نے اپنے شاگردوں (تابعین) کو سکھائیں، یہ سلسلہ آج تک جاری ہے، اور تاقیامت جاری رہے گا۔ مقصد کے اعتبار سے مدرسہ، استاذ، شاگرد اور نصاب (علوم وحی) سے تعبیر ہے۔

تاہم ظاہری اعتبار سے مدرسے کے وجود کے لیے چند اضافی امور کی ضرورت ہے۔ گویا تمام ایسے مراکز کو دینی مدرسہ کے نام سے موسوم

کیا جاسکتا ہے، جن میں پڑھنے پڑھانے کا خصوصی اہتمام ہو، بالفاظِ دیگر مدرسہ وہ جگہ ہے جس پر باقاعدہ ادارے کا اطلاق ہوسکے۔ اس تناظر میں مدارس کے تاریخی پسِ منظر کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا: قرونِ اولیٰ کا دور

دوسرا: قرونِ وسطی کا دور

تیسرا: ایسٹ انڈیا کمپنی کی بر صغیر میں آمد سے پہلے کا دور

چوتھا: ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد اور تسلُّط کے بعد کا دور۔

پہلا دور: قرونِ اُولیٰ:

قرونِ اُولیٰ سے مراد عہدِ رسالت، عہدِ خلافتِ راشدہ اور قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر ہیں۔ احادیث وسیرت میں ابتدائی مکاتب ومدارس کا تصور ملتا ہے، تاہم یہ لغوی معنی کے اعتبار سے مدارس تھے، یعنی پڑھنے پڑھانے کی جگہ، عرفی معنی کے اعتبار سے مدارس کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا۔ جن میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں:

ا:-مدرسہ صحنِ ابی بکر رضی اللہ عنہ:

آپ کے گھر کے سامنے ایک چبوترہ تھا، جس پر آپ نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھا کرتے تھے۔ مشرکین کے بچے اور عورتیں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور قرآن کو سنتے تھے۔ کفارِ مکہ کو یہ ناگوار گزرا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو

اس جگہ کو چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔

۲:- مدرسہ دارِارقمؓ:

ابتدائے اسلام میں کوہِ صفا کے دامن میں واقع بن ارقمؓ کے مکان میں یہ مدرسہ قائم تھا، جس میں چالیس صحابہ کرامؓ (مرد وعورتیں) تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ خود معلم تھے، حضرت ابوبکر، حضرت حمزہ وحضرت علی رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے طالب علم تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی جگہ اسلام قبول کیا۔ یہاں قیام وطعام کا انتظام بھی تھا، یہ جگہ دارالاسلام کے نام سے مشہور ہوگئی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: مسلمان ہونے والوں کو ایک ایک دو دو کرکے رسول اللہ a کسی صاحبِ حیثیت کے پاس بھیج دیتے تھے اور یہ لوگ وہاں رہ کر کھانا کھاتے تھے۔ میرے بہنوئی کے گھر بھی دو آدمی موجود تھے، ایک خبابؓ بن ارت تھے، جو میرے بہنوئی اور بہن کے پاس جاجاکر قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

۳:- مدرسہ اُختِ عمرؓ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور بہن (سعید بن زید اوراُمِ جمیل فاطمہ رضی اللہ عنہما) کے گھر مکتب قائم تھا، جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی تلاوت سنی اور مخالفت اور مارکٹائی تک نوبت پہنچنے کے بعد یہی

واقعہ ان کے ایمان لانے کا باعث بنا۔

۴:-مدرسہ مدینہ یا مدرسہ مصعب بن عمیرؓ:

ہجرتِ مدینہ سے پہلے آپ نے حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم r کو مدینہ روانہ فرمایا، جہاں وہ مدینہ والوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔

۵:-مدرسہ صفہ:

تاہم مدینہ منورہ میں مدرسہ صفہ کا قیام عہدِ رسالت میں مدرسہ کے وجود کی نمایاں مثال ہے۔ مدرسہ صفہ میں پڑھنے والے صحابہ کرامؓ -جو اہل الصفہ کہلاتے تھے- کی کل تعداد ۴۰۰ تک پہنچتی ہے، بیک وقت صفہ کے طلبہ کی تعداد ستر،اَسی تک ہوتی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اس مدرسہ کے طالب علم تھے۔

عہدِ خلافتِ راشدہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مکاتب ومدارس کو وسعت دی اور باقاعدہ نظام کے تحت ان کو آگے بڑھایا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو جامع مسجد دمشق میں قرآن پڑھانے کے لیے مقرر کیا، جہاں ایک موقع پر ۱۶۰۰ (سولہ سو) طالب علم ان کے درس میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ نے درسِ حدیث کے حلقے بھی قائم فرمائے۔

یہ سلسلہ قائم رہا اور آنے والے خلفاء اورامراء نے اس کو مزید وسعت

دی، ہر بستی میں مدارس ومکاتب قائم تھے۔ امیر لوگ ان مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کے قیام وطعام، اور لباس سمیت تمام ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

دوسرا دور: قرونِ وسطیٰ:

مدارس ومکاتب کی تاریخ میں دو اداروں کو اس حوالے سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ اب تک تعلیمی ادارے کی حیثیت سے قائم ہیں: ایک جامعۃ الزیتون، جو تیسری صدی ہجری میں تیونس کی جامع مسجد میں قائم ہوا تھا۔ دوسرا جامع ازہر، جو فاطمی سلاطین کے دور میں مصر میں قائم ہوا، ۳۶۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، اور چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے اس کی تعلیمی زندگی کا آغاز ہوا، اور آج تک قائم ہے۔ تاہم علامہ مقریزیؒ کے مطابق باقاعدہ ادارے کی شکل میں مدرسے کی بنیاد رکھنے والے اہلِ نیشاپور ہیں، جنھوں نے مدرسہ بیہقیہ کی بنیاد ڈالی۔ علامہ مقریزی نے مصر میں قائم ۷۰ سے زائد مدارس کا تعارف کرایا۔ چند دیگر مدارس بھی ہیں جن میں:

سلطان محمود غزنوی اور ان کے بیٹے سلطان مسعود کے قائم کردہ مدارس، اور مدرسہ نظامیہ، بغداد' دولتِ سلجوقیہ کے علم دوست وزیر نظام الدین طوسی (۴۸۵ھ) کا قائم کردہ مدرسہ شامل ہیں۔ امام غزالیؒ اس نظامیہ سے فیض حاصل کرنے والوں میں سے ہیں اور ان کے استاذ امام الحرمین اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ علاوہ ازیں بغداد میں تیس بڑے مدارس تھے۔

تیسرا دور: ہندوستان میں مدارسِ دینیہ کا قیام:

ہندوستان میں اسلامی حکومت کا مستقل قیام ۶۰۲ھ/۶۰۶ھ سے شروع ہوا، ایک صدی گزرنے پر ہندوستان علوم وفنون کا گہوارہ بن چکا تھا۔ صرف دہلی شہر میں ایک ہزار اسلامی مدارس تھے۔

عالمگیر اورنگزیب کے عہد میں سندھ کے شہر ٹھٹھہ میں چارسو مدرسے تھے۔ دہلی، آگرہ ،لاہور، ملتان، جونپور، لکھنؤ، خیرآباد، پٹنہ، اجمیر، سورت، دکن، مدارس، بنگال اور گجرات وغیرہ بہت سے مقامات علم وفن کے مرکز تھے۔ صرف بنگال میں اسی ہزار مدارس تھے۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک مفت تھی، علماء وطلبہ کسبِ معاش سے مطمئن ہوکر فراغت وسکونِ خاطر کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی برصغیر میں آمد کے بعد ہندوستان کا جہاں عمومی سیاسی وانتظامی نقشہ تبدیل ہونے لگا، اور کمپنی آہستہ آہستہ ملک پر قابض ہونے لگی، تاآنکہ کمپنی نے انیسویں صدی عیسوی کے اوئل تک پورے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کیا، وہاں تعلیمی نظام بھی یکسر تبدیل کردیا گیا، مدارس کے تمام اوقاف کو۱۸۳۸ء میں ضبط کرلیا گیا اور اصحابِ خیر کی طرف سے مقرر کردہ وظائف و تنخواہیں تو حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی موقوف ہوچکے تھے، جس کے نتیجے میں سینکڑوں خاندان تباہ ہوگئے۔ تعلیمی ادارے یک قلم مٹ گئے، لیکن ان حوادثاتِ زمانہ کے باوجود چند اصحابِ عزیمت علماء موجود تھے، جنہوں نے

مالی امداد و معاونت کے بغیر اشاعتِ علومِ دینیہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

دوسری طرف ۱۸۱۳ء کے ایک قانون کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مشن سکول کھولنے کا موقع دیا گیا۔ ان سکولوں کو کمپنی کی پشت پناہی حاصل رہی، سہولتیں اور مالی امداد فراہم کی جانے لگیں، اور یہاں کے فضلاء کو ملازمتوں کی لالچ دی گئی۔

یہ نظامِ تعلیم مسلمانوں کی مذہبی زندگی، قومی روایات اور علوم وفنون کے لیے تباہ کن اور مہلک حربہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے دلوں کو ہیبت زدہ، دماغوں کو ماؤف، روحوں کو پژمردہ اور پوری قوم کو مفلوج کردیا۔ تعلیم سے بے رغبتی اور مذہب سے بے گانگی میں روزافزوں اضافہ ہوتا رہا۔ ایسے حالات میں اربابِ علم وفضل نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے مذہبی وجود کو بچانے کے لیے دینی تعلیم کے سوا کوئی چیز فائدہ مند اور کارگر نہیں، اس مقصد کے لیے قدیم تعلیمی نظام کی نشاۃِ ثانیہ کو ضروری سمجھا گیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے ساتھیوں سمیت توکلًا علی اللہ ۱۸۶۷ء میں دیوبند، ضلع سہانپور کی تاریخی مسجد چھتہ میں دارالعلوم کی بنیاد رکھ دی، جو بہت جلد دنیائے اسلام کی بہت بڑی درس گاہ بن گئی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ جیسے آفتابِ علم وفضل دیوبند نے پیدا کیے تھے۔

حاصل یہ کہ برصغیر میں مدارس کا آغاز 712ء میں محمد بن قاسم کی سندھ

فتح سے ہوا۔ وقت کے ساتھ یہاں مساجد، خانقاہیں اور علمی حلقے قائم ہوئے، پھر مختلف ادوار میں تعلیمی ادارے منظّم صورت اختیار کرتے گئے۔ دہلی سلطنت کے دور میں مدرسہ ناصریہ قائم ہوا، جبکہ مغلیہ دور میں علم و فن کو عروج حاصل ہوا۔

اورنگزیب عالمگیر کے دور میں فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوا، جو فقہ حنفی کے علمی ذخیرے میں ایک اہم سنگِ میل ہے۔ اسی زمانے میں ملا نظام الدین سہالویؒ نے درسِ نظامی کی بنیاد رکھی، جو آج بھی برصغیر کے مدارس کا بنیادی نصاب ہے۔

درسِ نظامی کی خصوصیت یہ رہی کہ اس نے علومِ آلیہ (عربی، منطق، اصول وغیرہ) اور علومِ عالیہ (تفسیر، حدیث، فقہ) کے درمیان ایک مربوط تعلیمی راستہ مہیا کیا، جس سے درس و تدریس میں تسلسل اور معیار پیدا ہوا۔ دارالعلوم دیوبند سے فیض یافتہ ان علمی ہستیوں نے دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ساتھ دیگر شہروں اور بستیوں میں مکاتب ومدارس قائم کیے، پاکستان کے بعد یہاں بھی مدارس کی تاسیس کا سلسلہ شروع ہوا، اور کئی ایک عظیم مدارس وجامعات منصہ شہود پر آئے۔

دارالعلوم دیوبند۔ تحفظِ دین کا قلعہ:

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب مسلمانوں کی دینی و تہذیبی شناخت خطرے میں تھی، تو 1866ء میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا۔ یہ ادارہ محض ایک مدرسہ نہیں تھا، بلکہ ایک فکری و تربیتی تحریک کی بنیاد تھا، جس کا مقصد دین کی حفاظت، علم کی اشاعت اور معاشرے کی اصلاح تھا۔

اس ادارے کے بنیادی اصول یہ تھے: حکومتی امداد سے مکمل آزادی, عوامی چندہ پر انحصار، خالص دینی خدمت۔

مدرسہ محض ایک عمارت نہیں بلکہ ایک نظریہ ہے، جس کی بنیاد "اقرأ" کے ربانی وقرآنی حکم پر رکھی گئی۔ لفظ "مدرسہ" عربی مادہ د-ر-س سے نکلا ہے، جس کا مطلب سیکھنے کی جگہ ہے۔

استعماری دور میں لارڈ میکالے کے نظام نے دینی شناخت کو چیلنج کیا، جس کا جواب دارالعلوم دیوبند نے خود مختار تعلیمی نظام کی صورت میں دیا۔ دارالافتاء نے جدید مسائل جیسے ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، میڈیکل اور معاشی امور میں شرعی رہنمائی فراہم کی۔ عصری صورتحال اور سماجی کردار آج مدارس لاکھوں طلبہ کو مفت تعلیم دے رہے ہیں اور معاشرے میں اخلاقی تربیت فراہم کر رہے ہیں۔ اگرچہ انہیں منفی پروپیگنڈے کا سامنا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ادارے امن، اخوت اور انسانیت کے فروغ میں مصروف ہیں۔

1892ء میں یہاں دارالافتاء قائم کیا گیا، جہاں جدید مسائل جیسے بینکنگ، انشورنس اور ٹیکنالوجی پر فقہِ حنفی کی روشنی میں رہنمائی فراہم کی گئی۔ دارالافتاء کی روایت دراصل اس حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ دین جامد نہیں؛

اصول ثابت ہیں مگر مسائل بدلتے رہتے ہیں، اس لیے اجتہادِ جزئی/فقہی تطبیق کے ذریعے امت کو راہنمائی کی ضرورت ہر زمانے میں باقی رہتی ہے۔

سیاسی جدوجہد اور فکری رہنمائی:

مدارس کے علماء نے علمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے اکابرین نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ مولانا مدنیؒ نے متحدہ قومیت کا نظریہ پیش کیا، جس کی بنیاد میثاقِ مدینہ پر تھی۔ یہ نظریہ اس بات کی عملی مثال ہے کہ اسلام ایک کثیر مذہبی معاشرے میں بھی اپنے اصولوں کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے، اور عدل، رواداری اور اجتماعی نظم کے ساتھ معاشرتی زندگی میں مثبت کردار ادا کر سکتا ہے۔

مدارس دینیہ کا مکمل فلاحی نظام:

مدارسِ دینیہ صرف تعلیمی ادارے نہیں بلکہ ایک جامع سوشل ویلفیئر سسٹم ہیں۔ یہ ادارے: لاکھوں یتیم و نادار بچوں کو رہائش اور خوراک فراہم کرتے ہیں بلاامتیاز مفت تعلیم دیتے ہیں طلبہ کی صحت اور لباس کا انتظام کرتے ہیں اس طرح یہ ریاست کے معاشی بوجھ کو کم کرتے ہوئے ایک عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اگر مدارس اپنے فلاحی پہلو کے ساتھ ساتھ دستاویزی نظم (ریکارڈ، شفافیت، رپورٹنگ) کو مزید مضبوط کریں تو نہ صرف اعتماد میں اضافہ ہو گا بلکہ

معاشرتی رابطہ اور خدمت کے نئے دروازے بھی کھلیں گے، جیسا کہ بڑے مدارس نے اس جانب قدم بڑھایا ہے، الحمدللہ! جامعہ بنوریہ عالمیہ میں مکمل اکاؤنٹس سیکشن، آڈٹ سیکشن اور ایچ آر ڈپارٹمنٹ موجود ہے جو ہر چیز کا چیک اینڈ بیلنس رکھتا ہے اور اس کے لیے اپنے میدان کے ماہرین کی خدمات مسرعار لی گئی ہیں، دوسرے مدارس کو بھی اس کی پیروی کرنی چاہیے۔

مدارس اور اہلِ خیر کا کردار:

مدارس کی تاریخ کا ایک روشن پہلو ان کی خودمختاری ہے، جو عوامی تعاون پر قائم ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اصولِ ہشت گانہ میں عوامی چندہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جس کے اہم نکات ہ ہیں:

حکومتی اثر سے آزادی تعلیمی استقلال کو برقرار رکھتی ہے۔ عوامی شرکت مدارس کو ملت کا مشترکہ اثاثہ بناتی ہے۔ مخلص تعاون میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے۔

آج بھی یہ ادارے زکوٰۃ، صدقات اور عطیات کے ذریعے اپنا نظام چلا رہے ہیں۔

نبویؐ ورثہ اور جدید چیلنجز:

آج کے چیلنجز میں سوشل میڈیا کی غلط فہمیاں، جدید تعلیمی تقاضے، اور معاشرتی رابطے کی کمی نمایاں ہیں۔ ان کے مقابلے کے لیے مدارس اگر ابلاغ (Communication) اور مثبت سماجی رابطہ کو مضبوط کریں، مثلاً تعارفی سیشنز،

عوامی لیکچرز، اور سادہ تعلیمی رپورٹس——تو بہت سی بدگمانیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔

اس سلسلے میں جامعہ بنوریہ عالمیہ نے شروع سے ہی مدارس کے لیے رول ماڈل کا کردار ادا کیا ہے۔جب علمائے کرام جدید ٹیکنالوجی اور انگریزی زبان کے حوالے سے تحفظات کا شکار تھے، جامعہ بنوریہ عالمیہ نے اپنے ہاں اس کو رائج کیا۔ جیسے ہی انٹرنیٹ نے پاکستان میں قدم رکھا، جامعہ بنوریہ عالمیہ نے نہ صرف اپنا سارا سسٹم انٹرنیٹ پر منتقل کیا، بلکہ طلبہ وفضلائے کرام کے لیے سی آئی ٹی اور ڈی آئی ٹی کے مہنگے کورسز، ماہرین کی نگرانی میں، بلامعاوضہ شروع کرائے۔جب پرنٹ میڈیا کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا اور پورے پرنٹ میڈیا میں مدارس کا کوئی ترجمان اخبار نہیں تھا تو جامعہ بنوریہ عالمیہ نے اس خلا کو پُر کرتے ہوئے ہفت روزہ اخبارالمدارس جاری کیا، جو عوام، اربابِ حکومت اور اہلِ خیر کے سامنے مدارس کی وکالت کرتا تھا۔اس اخبار نے ایک رابطہ پُل کا کردار ادا کیا۔جب مدارس میں حکومتی شخصیات کے داخلے اور دوروں کو عجیب نظروں سے دیکھا جاتا تھا، جامعہ بنوریہ عالمیہ نے اپنے دروازے ملکی وغیر ملکی حکومتی شخصیات واداروں کے لیے کھولے، ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا، انھیں اپنا نظام تعلیم وتربیت دِکھایا، جس سے فاصلے کم ہوئے اور دوریاں ختم ہوئیں۔

جامعہ بنوریہ عالمیہ: علم، دعوت اور تعمیرِ ملت کا زندہ استعارہ:

جامعہ بنوریہ عالمیہ آج محض ایک تعلیمی ادارہ نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک

اور ہمہ جہت علمی تحریک کی صورت اختیار کر چکا ہے، جو حدیثِ نبوی ﷺ کے اس درخشاں اصول ''العلماء ورثۃ الانبیا'' کو اپنی عملی زندگی کا شعار بنائے ہوئے ہے۔ یہ ادارہ نہ صرف علومِ نبویہ کا امین ہے بلکہ عصرِ حاضر کے فکری، تعلیمی اور سماجی چیلنجز کا شعوری ادراک رکھتے ہوئے امت کی تعمیرِ نو میں ہمہ وقت مصروفِ عمل ہے۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مدارسِ دینیہ نے ہر نازک موڑ پر ملتِ اسلامیہ کی دینی شناخت، فکری خودمختاری اور تہذیبی بقاء کو سنبھالا ہے، اور جامعہ بنوریہ اسی تابندہ روایت کا ایک روشن تسلسل ہے۔

جامعہ بنوریہ عالمیہ کا تعلیمی نظام ایک متوازن اور بصیرت افروز امتزاج پیش کرتا ہے، جہاں روایتی درسِ نظامی کی گہرائی بھی ہے اور عصری علوم کی وسعت بھی۔ یہاں تعلیم کا سفر ابتدائی درجات سے لے کر اعلیٰ تخصصات تک ایک مربوط، منظّم اور تدریجی انداز میں طے کیا جاتا ہے۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور عربی ادب جیسے علوم میں تخصصات کا قیام اس امر کی دلیل ہے کہ جامعہ محض تعلیم نہیں دیتا بلکہ ماہرین، محققین اور رہنما افراد تیار کرتا ہے، جو علمی دنیا میں اپنا مستقل مقام بنا سکیں۔

عصری علوم اور عالمی تقاضوں سے ہم آہنگی:

زمانے کی رفتار کو سمجھتے ہوئے جامعہ نے تعلیم کو محض ماضی کی روایت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے حال اور مستقبل کی ضرورتوں سے ہم آہنگ کیا

ہے۔ عربی کے ساتھ انگریزی اور چینی زبانوں کی تعلیم، کمپیوٹر سائنس اور جدید ابلاغی مہارتوں کی تربیت اس بات کی غماز ہے کہ یہاں تیار ہونے والا طالبِ علم عالمی سطح پر موثر کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تحقیق، صحافت، میڈیا اور کریئر کاؤنسلنگ جیسے شعبہ جات اس ادارے کو ایک جامع علمی مرکز بناتے ہیں، جہاں علم صرف پڑھایا نہیں جاتا بلکہ زندگی میں برتا جاتا ہے۔

بین الاقوامی وسعت: عالمگیریت کی روشن جھلک:

جامعہ بنوریہ عالمیہ اپنی آغوش میں دنیا کے پچاس سے زائد ممالک کے طلبہ کو سمیٹے ہوئے ہے، جو اسے ایک حقیقی عالمی تعلیمی مرکز بناتا ہے۔ یہاں نہ صرف تعلیم دی جاتی ہے بلکہ طلبہ کے لیے رہائش، طعام، طبّی سہولیات اور حتیٰ کہ خاندانی قیام کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے۔یہ ہمہ گیر سہولیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جامعہ علم کے ساتھ ساتھ انسان کی بنیادی ضروریات کا بھی پورا خیال رکھتا ہے، تاکہ طالبِ علم یکسوئی کے ساتھ اپنی علمی منازل طے کر سکے۔

عصرِ حاضر میں شرعی رہنمائی کا مرکز:

جامعہ کا دارالافتاء ایک فعال، بیدار اور عصری شعور رکھنے والا ادارہ ہے، جو جدید دنیا کے پیچیدہ مسائل میں شریعت کی روشنی فراہم کرتا ہے۔بینکنگ، انشورنس، ڈیجیٹل معاملات اور سماجی تنازعات جیسے موضوعات پر علمی و فقہی رہنمائی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی قانون ہر دور کے تقاضوں کا جواب

دینے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔آن لائن فتویٰ کی سہولت نے اس خدمت کو عالمی سطح تک پھیلا دیا ہے، جس سے یہ ادارہ امت کے لیے ایک قابلِ اعتماد رہنما بن چکا ہے۔

علم کے ساتھ خدمتِ خلق کا عملی نمونہ:

جامعہ بنوریہ عالمیہ کی شناخت صرف علمی میدان تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک وسیع رفاہی نیٹ ورک بھی رکھتا ہے۔ ہزاروں طلبہ و طالبات کی مکمل کفالت، ان کے قیام و طعام، علاج اور تعلیم کا انتظام ایک عظیم سماجی خدمت ہے۔ خصوصی طور پر یتیموں، نو مسلموں اور مستحق افراد کی سرپرستی اس ادارے کے اس جذبۂ ایثار کی عکاس ہے جو اسلامی تعلیمات کا جوہر ہے۔ یہ خدمات دراصل اس بات کا عملی اظہار ہیں کہ علم کا اصل مقصد انسانیت کی خدمت ہے۔

جدید دور میں پیغام کی ترسیل کے لیے جامعہ نے روایتی ذرائع کے ساتھ جدید ٹیکنالوجی کو بھی بھرپور انداز میں اختیار کیا ہے۔

ایک ضخیم تفسیر "تفسیر روح القرآن"۔ مختلف کتب ورسائل۔ماہانہ اصلاحی رسالہ ۔سہ ماہی علمی رسالہ التجدید کی اشاعت کے ساتھ ساتھ آڈیو، ویڈیو اور سوشل میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو عام کرنا اور دفاعِ دین کا فریضہ ادا کرنا اس ادارے کی بصیرت کا مظہر ہے۔

یہی وہ حکمتِ عملی ہے جو علم کو محدود حلقوں سے نکال کر عالمی سطح تک پہنچاتی ہے۔

جامعہ کا نصاب ایک فکری اور عملی ارتقاء کا نتیجہ ہے، جس میں ابتدائی دینی تعلیم سے لے کر عصری علوم تک کا جامع نظام تشکیل دیا گیا ہے۔ عالمی زبانوں، ٹیکنالوجی، میڈیا اور جدید فقہی مسائل کی شمولیت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ادارہ ماضی کی روایت اور مستقبل کی ضرورت کے درمیان ایک مضبوط پل ہے۔

یہ تمام اصلاحات بانیِ جامعہ مفتی محمد نعیم کے اس وژن کا عملی اظہار ہیں کہ ایک ایسا ادارہ وجود میں آئے جو دین اور دنیا دونوں میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔

علم سے عمل تک کا سفر:

جامعہ میں طلبہ کو محض کتابی علم تک محدود نہیں رکھا جاتا بلکہ انہیں عملی میدان کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ خطابت، تدریس اور ابلاغ کی مہارتوں پر مشتمل تربیتی کورسز اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ فارغ التحصیل افراد معاشرے میں موئثر، باوقار اور رہنما کردار ادا کریں۔

خواتین کی تعلیم:

مستقبل کی تعمیر کا مضبوط ستونجامعہ بنوریہ میں طالبات کے لیے بھی ایک مکمل اور معیاری تعلیمی نظام موجود ہے، جہاں بنیادی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تخصصات تک کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ یہاں خواتین کو دینی و عصری علوم، تحقیق، ابلاغ اور سماجی خدمات کے میدان میں تیار کیا جاتا ہے، تاکہ وہ

معاشرے کی اصلاح میں فعال کردار ادا کر سکیں۔

جامعہ بنوریہ عالمیہ کے المنائیز:

جامعہ کے فضلاء دنیا بھر میں مختلف میدانوں میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہ مساجد میں امامت وخطابت سے لے کر تحقیق، میڈیا، فقہ، ترجمہ اور سماجی خدمت تک ہر شعبے میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

یہ فضلاء: دین کے معلم، معاشرے کے مصلح اور عالمی سطح پر اسلام کے نمائندہ بن کر ابھر رہے ہیں، جو اس ادارے کی علمی اور تربیتی کامیابی کا زندہ ثبوت ہیں۔

جامعہ بنوریہ عالمیہ درحقیقت اس نبویؐ درسگاہ (صفہ) کی توسیع ہے، جہاں سے علم، تربیت اور ہدایت کا نور پھیلنا شروع ہوا تھا۔آج یہ ادارہ اسی روشنی کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئی جہتوں میں آگے بڑھا رہا ہے۔یہ محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ: ایک تحریک، ایک فکراور ایک ہمہ گیر نظامِ حیات ہے، جو امتِ مسلمہ کی رہنمائی، اصلاح اور تعمیر کے لیے ایک مضبوط قلعے کی حیثیت رکھتا ہے۔

دینی مدارس وجامعات پر اعتراضات، کتنی حقیقت کتنا فسانہ؟

ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا المیہ عدم برداشت ہے، مجموعی طور پر ہماری سوسائٹی سے برداشت و تحمل مزاجی رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی ہے۔

ہمارا دوسرا المیہ یہ ہے کہ ہم کسی بھی چیز کا جائزہ ایک مخصوص عینک سے لیتے ہیں اور رائے پہلے قائم کر چکے ہوتے ہیں جس میں کسی قسم کی تبدیلی کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے، اگرچہ زمینی حقائق کی روشنی میں ہماری وہ رائے غلط اور قابل اصلاح ہو، مگر ہم اپنی ہی رائے پر بے جا اصرار کرتے ہیں۔

ہمارا تیسرا المیہ یہ ہے کہ ہم کسی بھی چیز کا منفی پہلو دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں، جس کی وجہ سے ہم اکثر عدل و انصاف کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس میں رائے عامہ پر اثرانداز ہونے والے اداروں بالخصوص میڈیا کا بہت بڑا کردار ہے۔ لیکن سارا نزلہ میڈیا پر بھی نہیں گرایا جاسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل و شعور کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ جس سے کام لے کر درست نتیجے تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اسلام نے ہمیں انتہاپسندی نہیں، حقیقت پسندی کا درس دیا ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ دینی مدارس، جن میں ناظرہ قرآن مجید سے لے کر حفظ تک اور ابتدائی دینی تعلیم سے لے کر عالم و مفتی سطح کی تعلیم دینے والے تمام مدارس شامل ہیں، ہر قسم کی کمی و کوتاہی سے پاک ہیں، نہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ مدارس میں اصلاح طلب کوئی بات نہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ:

مدارس پر کیے جانے والے اکثر اعتراضات ایسے ہیں، جنھیں عدل و انصاف کی میزان پر تولا جائے اور غیر جانب داری کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کی کوئی منطقی و واقعی حیثیت و حقیقت نظر نہیں آتی۔ اس تحریر میں ہماری

کوشش ہوگی کہ مدارس پر ہونے والے بڑے بڑے اعتراضات کوسامنے رکھتے ہوئے حقیقت واقعہ سامنے لائی جائے۔

مدارس ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ادارے ہیں، ان کا نظم و نسق ملکی قوانین کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے،ارباب مدارس حکومت کی جانب سے دی جانے والی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔جس کے نظائر تو بے شمار ہیں ،ان میں سے چند کے ذکر کو کافی سمجھتے ہوئے ہم زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

آرمی پبلک اسکول پر سفاکانہ حملے کے بعدجب ملک کی سیاسی و عسکری قیادت نے متفقہ طور پر دہشت گردوں کے خلاف نیشنل ایکشن پلان ترتیب دیا،تواہل مدارس نے اس کا خیر مقدم کیا،دہشت گردوں کے خلاف جب آپریشن ضرب عضب شروع ہوا، مدارس نے اس کی حمایت کی۔ مدارس کی رجسٹریشن سے لے کر جیوٹیکنگ تک، ہر قانون کومدارس نے بسر و چشم تسلیم کیا اورکسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ آئے روز ایجنسیاں معلومات لینے کے لیے مدارس میں آتی ہیں، کسی مدرسے نے کبھی کسی ایجنسی کو نہیں روکا اور فوج وپولیس ہویاسول ایجنسیاں،سب کوخوش آمدید کہا، کہ آپ ملک کی سرحدوں کے محافظ ہیں، آپ کواس سلسلے میں ہماری طرف سے جو تعاون چاہیے ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

موجودہ حالات میں بھی اہل سنت والجماعت کے چاروں مکاتبِ فکر کے

مدارس اپنے قائدین ،علما ومشائخ کے شانہ بشانہ ایران،افغانستان سمیت دوسرے ممالک کے حوالے سے ریاست کی پالیسی کا نہ صرف دل وجان سے احترام کرتے ہیں،بلکہ عملی طور پر بھی ریاست کے ساتھ کھڑے ہیں اور اپنے تمام تر تحفظات بالائے طاق رکھ کر وطن عزیز کی سلامتی واستحکام کے لیے افواج پاکستان ،حکومتِ پاکستان اور مقتدر اداروں کی پالیسیوں کے ساتھ مکمل شرح صدر کے ساتھ متفق ہیں۔

مدارس نے دورجدید کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے نصاب تعلیم میں اصلاح وترمیم سے کبھی انکار نہیں کیا۔الحمدللہ ! تمام وفاقہائے مدارس کی باقاعدہ نصاب کمیٹیاں ہیں، جو ضرورت کے تحت نصاب میں تبدیلی کرتی رہتی ہیں۔ مدارس کے نصاب ہیں سائنس وریاضی، معاشرتی علوم و مطالعہ پاکستان اور اردو وانگریزی نصاب کا لازمی حصہ ہیں۔

مدارس میں باقاعدہ اسکول وکالج سسٹم قائم ہے،جس کا متعلقہ بورڈز سے الحاق ہے۔حال ہی میں انٹر میڈیٹ کے امتحانات میں پنجاب بورڈ سے تینوں امتیازی پوزیشنیں لینے والے مدارس کے طلبہ تھے۔

مدارس کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی تعلیم بھی دے رہے ہیں۔بڑے بڑے مدارس میں باقاعدہ آئی ٹی ڈیپارٹمنٹس قائم ہیں،جو ٹیکنکل بورڈز سے منظور شدہ ہیں اور کورس کی تکمیل پر بورڈ زان طلبہ وطالبات کا امتحان لے کر باقاعدہ سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں۔

مدارس اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے اپنے طلبہ وطالبات کو جدید تعلیم سے بھی روشناس کرارہے ہیں، مدارس نے اپنے طلبہ وطالبات پر جدید تعلیم کے دروازے کبھی بند نہیں کیے، یونیورسٹیز میں جاکر دیکھا جاسکتا ہے مدارس کے سیکڑوں طلبہ وطالبات M.A، ایم فل اور PH.D کررہے ہیں۔

مدارس میں ماس کمیونیکیشن کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، میڈیاورکشاپس کے ساتھ ساتھ کئی مدارس میں اس کے باقاعدہ شعبے قائم ہیں۔

مدارس کے سیکڑوں فضلااس وقت الیکٹرانک وسوشل میڈیامیں سرگرم خدمت ہیں ،پرنٹ میڈیامیں ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، تقریباًہر مدرسے کا ہفت روزہ، ماہانہ یا سہ ماہی آرگن، علماوطلباکے اخبارات میں شایع ہونے والے کالم ومضامین اور تصنیفی وتالیفی خدمات اس پر شاہد عدل ہیں۔یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اردوزبان کی خدمت میں مدارس عصری درس گاہوں سے کہیں آگے ہیں۔

مدارس پرایک اورالزام بھی بہت عرصہ سے لگایا جارہاہے، وہ ہے دہشت گردی کا الزام، حالاں کہ آج تک کسی مدرسے میں جہادی ٹریننگ ثابت نہیں کی جاسکی۔ کسی مدرسے سے کسی قسم کا کوئی اسلحہ برآمد نہیں ہوا۔ کسی مدرسے نے کسی بھی عسکریت پسند گروہ کی حمایت نہیں کی۔ ہاں ! یہ ضرور ہے کہ ملک کے عظیم تر مفاد میں اہل مدارس نے ہمیشہ ریاست کا تعاون کیا ہے۔

مدارس سے پڑھے ہوئے کسی بھی فرد نے ریاست کی رٹ کو چیلنج کرنے

کی انفرادی یا اجتماعی طور پر کوشش کی ہے، تو ہمیشہ مدارس نے اس کے مقابلے میں ملکی قانون کو ترجیح دی ہے۔۔ یہ بات بھی اب کوئی سربستہ راز نہیں رہی ہے کہ عسکریت پسند جماعتوں میں مدارس سے زیادہ کالجوں، یونیورسٹیوں کے لوگ ہوتے ہیں، آپ خود تجزیہ کرکے دیکھ لیجیے،آپ ہم سے اتفاق ہی کریں گے، لیکن یہ انوکھی منطق ہے کہ اس بنیاد پر کالجز اور یونیورسٹیز پر دہشت گردی کا الزام نہیں لگایا جاتا۔ بایں ہمہ، ملک کے تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مدارس نے ہمیشہ حکومت اور اداروں کو یہ پیشکش کی ہے کہ آپ کو کسی بھی مدرسے میں کوئی مشتبہ دہشت گرد کے بارے میں علم ہے تو ہمیں بتلائیں، ہم اسے آپ کے حوالے کریں گے۔آپ کو کسی بھی مدرسے کے حوالے سے یہ تحقیق ہے کہ وہ مدرسہ قابل اعتراض سرگرمیوں میں ملوث ہے، تو ہمیں بتائیں ہم اس مدرسے سے لاتعلّقی کا اعلان کردیں گے۔ انصاف سے بتلایئے ! مدارس اس سے بڑھ کر کیا کرسکتے ہیں؟

حکمراں طبقے کی طرف سے بڑے زور و شور سے یہ بات کی جاتی ہے کہ ہم مدارس کو ’’مین اسٹریم لائن ‘‘اور’’ر قومی دھارے ‘‘میں لانا چاہتے ہیں۔ مدارس اس بات کا خیر مقدم کرتے ہیں، لیکن اس کے لیے اب تک کیا اقدامات کیے گئے ہیں؟ سرکاری ملازمتوں میں ہمارے طلبہ وطالبات کے لیے کوئی کوٹہ مختص نہیں،حکومت نے ہمارے اداروں سے پڑھے ہوئے ٹیلنٹڈ افراد کو استعمال کرنے کے لیے کون سا موقع فراہم کیا ہے؟ اہل مدارس اوران طلبہ وطالبات کے سرپرست، سبھی یہ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ، جن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز

ہے، مدارس سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد "مین اسٹریم لائن" میں جائیں اور ملک و قوم کی خدمت کریں، لیکن جب وہاں خود ہی دروازے بند کردیے گئے ہیں، تو اس میں قصور کس کا ہے؟ کسی بھی کالج/یونیورسٹی میں جاکر معلوم کیجیے ہمارا کتنا بڑا طبقہ عصری تعلیم حاصل کررہا ہے، لیکن فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہونے کے باوجود وہ ملازمتوں سے محروم رہتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانا کس کا کام ہے؟ کیا مدارس سے وابستہ ہونا اتنا بڑا جرم ہے کہ انہیں جائز اور قانونی حقوق سے بھی محروم کردیا جائے؟

مدارس پر ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ اپنے ہاں پڑھنے والوں کی ایسی وضع قطع بناتے ہیں کہ وہ اپنے اس گیٹ اپ میں معاشرے کے لیے اجنبی نظر آتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ داڑھی پردہ اور کرتہ شلوار، مدارس کا مخصوص گیٹ اپ نہیں، یہ ہمارے نبی ﷺ کا عطا کردہ گیٹ اپ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ مغربی لباس پہنیں مولوی کو برداشت ہے، وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ آپ کا انسانی حق ہے، جو آپ سے سلب نہیں کیا جاسکتا، پھر اگر مولوی اور طالب علم داڑھی اور کرتے شلوار کا استعمال کرتا ہے تو آپ اسے یہ انسانی حق دینے کے لیے آمادہ کیوں نہیں ہیں؟ پردہ مسلمان عورت کا پیدائشی حق اور دینی فریضہ ہے، آپ مسلمان عورت کو یہ حق دینے کے لیے تیار کیوں نہیں ہیں؟ کیا یہ تنگ نظری نہیں کہ

مولوی ومدرسہ توآپ کی وضع قطع پر کوئی قدغن نہیں لگاتا اور آپ کو ان کی وضع قطع تک برداشت نہیں۔

جہاں تک مدارس کے نظام میں خامیوں کا تعلق ہے تواس سے انکار نہیں۔ ہزاروں طلبہ وطالبات کو چوبیس گھنٹے قیام وطعام اور صحت وتعلیم کی سہولیات فراہم کرنے والے اداروں میں اگرخال خال کسی انتظامی خامی اور کمی کا نظر آنا کوئی انوکھی بات نہیں۔اخلاقی کمزوریاں بھی ہوسکتی ہیں، کیایہ سب کچھ ہاسٹلز میں نہیں؟ جہاں بھی اتنا بڑا مجمع ایک ساتھ رہے گا،وہاں اکّا دکّا کمزوریاں ہونالازمی امرہے، لیکن مدارس میں اس کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔اس کے باوجود اس سلسلے میں مدارس میں بہتر سے بہتر انتظامات بھی کیے جاتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ :

مدارسِ دینیہ نے ہر دور ہیںدین کا تحفظ کیا۔علمی ورثہ محفوظ رکھا۔معاشرتی واخلاقی نظام کو مضبوط بنایا۔

یہ ادارے دراصل نبویؐ مشن کا تسلسل ہیں، جو انسان کو اس کے خالق سے جوڑتے اور معاشرے میں عدل و توازن قائم کرتے ہیں۔ان کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ مادہ پرستی کے اس دور میں بھی علم، روحانیت اور اخلاق کی روشنی قائم ہے۔

ان مدارس اور علمائے کرام کے دم سے اللہ تعالیٰ کا دین زندہ ہے، مدارس

علوم دینیہ کے مراکز ہیں، انہیں قائم رہنے دیجیے، یہ دین اور قرآن وسنت کی نرسریاں ہیں،ان کی آبیاری کیجیے، حکیم الامت شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے اس خطبے میں موجود پیغام کو سمجھنے کی کوشش کیجیے،انھوں نے کہا تھا:

”ان مکتبوں کے اس طرح رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو اس میں پڑھنے دو، اگر یہ مُلّا اور درویش نہ رہے تو پتا ہے کیا ہوگا؟ جو ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگرہندوستانی مسلمان ان دینی مدارس کے اثر سے محروم ہوگئے، تو بالکل ایسا ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی 800برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا،اسلام کے ماننے والوں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا“۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اساتذہ کی مساعی کو قبول فرمائے، طلبہ کے اوقات میں برکت دے، اور ہمیں علم کو ادب، اخلاص اور عمل کے ساتھ اپنانے کی توفیق عطافرمائے۔آخر میں اہلِ خیر، والدین اور ذمہ دارانِ مدارس سے گزارش ہے کہ وہ اس نبویؐ ورثے کے ساتھ اپنا تعلق محض جذبات نہیں بلکہ شعوری تعاون کی صورت میں مضبوط کریں۔

وما توفیقی إلا باللہ

دارالتصنیف والتحقیق (ریسرچ اینڈ ریسورس سینٹر)

● اس شعبے کے قیام کا مقصد جہاں دیگر تصنیفی خدمات ہیں وہیں ایک ایسی شاہکار تفسیر کی تیاری اور اشاعت ہے جو عوام الناس کو عام فہم اسلوب میں پیغامِ الٰہی سے روشناس کرا سکے، الحمدللہ! تفسیر ''روح القرآن'' اسی شعبے کے تحت جامعہ کے رئیس حضرت مفتی محمد نعیم صاحب رحمہ اللہ کی نگرانی میں تیار ہورہی تھی جواب ان کے جانشین مولانا ڈاکٹر نعمان نعیم کی نگرانی میں اختتامی مراحل میں داخل ہوچکی ہے، الحمدللہ اس تفسیر کو اہل علم طبقے کے ساتھ ساتھ عوام الناس میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور جید علمائے کرام نے اسے پسند فرمایا ہے۔

● شعبۂ دارالتصنیف کے تحت دیگر نصابی اور غیر نصابی کتب بھی زیر طبع ہیں اور مختلف زبانوں میں بہت سی کتب شائع ہوچکی ہیں، اس شعبہ کے تحت ماہانہ موضوعاتی رسائل کا سلسلہ بھی چل رہا ہے، جسکی اشاعت ہر ماہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔

● ماہانہ سلسلہ وار اصلاحی رسائل کی تعداد:

160 اس شعبہ کے تحت شائع ہونے والی اہم تصنیفات:

1- تفسیر روح القرآن 8 جلد مکمل 2- خمیری مسلمان 3- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 4- نماز (سوالاً جواباً) 5- تفسیر دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہؓ میں 6- تفسیر سورہ یاسین 7- فضائل قرآنِ عظیم 8- مستشرقین (تعارف، افکار وعزائم)

آئیں! اصلاحِ اُمت کے مشن کا حصہ بنیں!

جامعہ بنوریہ عالمیہ اپنے قیام سے لے کر اب تک الحمدللہ دینی خدمات کے ساتھ ساتھ وقت کی فکری اور عملی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریری میدان میں بھی امت کی راہ نمائی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔ اس مبارک سلسلے کا آغاز "ماہنامہ البنوریہ" سے ہوا تھا، اس کے بعد "ہفت روزہ اخبار المدارس" کی اشاعت کے ذریعے اس سلسلے کو وقت کے تقاضوں سے ہم کیا گیا۔ پھر ضرورت اس بات کی محسوس کی گئی کہ ہر مہینے کی مناسبت سے امت کی فکری وعلمی راہ نمائی کی جائے تا کہ وہ عمل وکردار کی راہوں میں کامیابی سے اپنا سفر جاری رکھ سکے۔ چنانچہ شعبہ تصنیف وتحقیق کے تحت درج ذیل نظم قائم ہے:

سلسلہ اصلاحِ اُمت (ماہانہ رسائل)

یہ سلسلہ 2011ء سے تاحال پوری کامیابی سے جاری ہے۔ یہ رسائل کثیر تعداد میں شائع ہو کر ممبران کو بذریعہ ڈاک بھجوائے جاتے ہیں اور کراچی کی نمایاں مساجد، لائبریریز، ہسپتالوں اور عوامی انتظار گاہوں میں بھی رکھے جاتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ "التجدید"

اس کے علاوہ ہر تین ماہ بعد ایک وقیع فکری مجلہ بھی شائع کیا جاتا ہے۔ بروقت اشاعت، طباعت اور فوری ترسیل کے اخراجات پورے کرنے کے لیے مالی تعاون ناگزیر ہے۔ آپ حضرات سے گزارش ہے کہ حسب توفیق (ماہانہ، سہ ماہی یا سالانہ بنیاد پر) تعاون فرمائیں۔

ماہانہ ممبرشپ: صرف 3000 روپے

(کم زیادہ بھی دے سکتے ہیں۔)

تمام ممبران کو ماہانہ رسائل اور سہ ماہی مجلہ مستقل بنیادوں پر بذریعہ ڈاک ارسال کیے جاتے ہیں۔

آپ کا تعاون صدقہ جاریہ اور آنے والی نسلوں کی دینی تربیت میں معاون ثابت ہوگا۔

ٹیلیفون: 021-32575228 - 021-32575229

موبائل/واٹس ایپ: 03222-2394550 (مولانا محمد جنید صاحب)